اجنبی صدا
منیر سیفی

ہونٹوں پہ تہہ بہ تہہ ہیں مسرت کی پپڑیاں
لیکن کوئی منیرؔ کے اندر اداس ہے

اجنبی صدا

منیر سیفی

نام: ——— سیّد امان اللہ

قلمی نام: ——— منیر سیفی

مشورۂ سخن: ——— عم محترم سیف سہسرامی

تعداد: ——— ایک ہزار

اشاعت اوّل: ——— ۱۹۸۵ء

خوشنویس: ——— ممتاز احمد

سرورق: ——— قوس صدیقی

طباعت: ——— دی آزاد پریس سبزی باغ پٹنہ ۴

قیمت: ——— بیس۲۰ روپے

ناشر: ——— مکتبہ فنکار - اسٹیشن روڈ - پٹنہ ۸۰۰۰۰۱

مصنف کا حالیہ پتہ: ——— ۶ سرکلر روڈ - پٹنہ ۸۰۰۰۰۱

ملنے کے پتے: ——— (۱) بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ ۴

(۲) ماہنامہ ماہ رخ، بیلا تالاب، رام پور

یوپی ۲۴۴۹۱

انتساب

•

نجمہ بھابی کے لئے
جن کا چہرہ قرآن
کی طرح مقدس ہے،
جن کی آنکھوں میں
مجھے ماں کا عکس
نظر آتا ہے،
جنہوں نے مجھے حقیقی بہن
کے پیار سے روشناس کرایا

•

منیر سیفی

ترتیب

تخلیق کا کرب

تمام ہڈیاں اندام کی چٹختی ہیں
برستا ہے کئی گھن سر پہ آسمانوں سے
دماغ چاٹتی ہے گیلی جھینگروں کی صدا
تمام رات کوئی جونکِ درد کی تیرے
نچوڑتی ہے لہو دل کا اس طرح میرے
کہ جیسے طفلکِ معصوم خشک چھاتی سے
طلب میں شیر کی پیتا ہے خون سرخ بستہ
نظر میں چبھتی ہیں کرچیں شکستہ حالی کی
خیال جاتا ہے سورج کے بھی گماں سے پرے
تخیلات کے جھونکوں سے صورت ذرّہ
بکھرتا ہوں میں پریشاں تمام کمرے میں
تو کوئی نظم، غزل یا جدید افسانہ
ہمارے ذہن کے کمرے میں جنم لیتا ہے

شکستہ

مہیب کمرے کا سفر

مسودے کچھ
کہانیوں کے
رسالے، ناول، کہانی، غزلیں
مدیرِ وقاری کے چند جملے
قلم کا نشتر، دوات غم کی
جوانِ رعنا کا ایک فوٹو
اک اونگھتی سی نحیف چوکی
کثیف توشک سے جسم ڈھانکے
پھٹی سی چادر پہ ننگا تکیہ
کروڑوں مچھر، ہزاروں کھٹمل

پچاسوں جھینگر بھی چھپکلی بھی
پگھلتے جوتے اَنا کے غم میں
قمیص و پاجامہ الگنی پر پڑے ہوئے ہیں کفن کی صورت
چراغ کی ملگجی شعاعیں
ہوا کی زد پر بکھرتے کاغذ کے چند ٹکڑے
میں اپنی آغوش میں سمیٹے
رواں دواں ہوں
گماں کے پیچھے !
یقیں کے پیچھے !!

نئے رشتے کا خوف

عورتیں —

سیکڑوں پیچیدہ مسائل کی طرح
مرے کمرے میں کھلے بال لئے بیٹھی ہیں
اور!
دروازے پہ اک دودھ سی اجلی لڑکی
دستکیں، دینے میں مشغول ہے
میں سوچتا ہوں .... ؟؟؟

اُس کے آجانے سے ممکن ہے اُجالا ہو جائے
خوف بھی ہے کہ نصیب اور نہ کالا ہو جائے —

نیا سال

صبح — بے کیف چائے کی پیالی
دوپہر — کوئی دق زدہ لڑکی
شام — اس کے خیال سے خالی
رات — گہری، اداس، برفیلی

اور —
ایسے میں الجھنوں کا نقیب
دستکیں دے رہا ہے در پہ مرے۔

مگر چاندنی میں

مجھے تم خواب زرّیں مت دکھاؤ
کہ اس بھوری پہاڑی سے پرے کچھ
کمی،
شاداب و شاداں
وادیاں ہیں
کہ ٹھنڈے جل کا دریا بہہ رہا ہے
اناروں کے شجر پر سُرخ چڑیاں
مداوا زخمہائے روز و شب کا
صدائے "آفریں" سے کر رہی ہیں
مجھے تم خواب زرّیں مت دکھاؤ
تڑپتا چھوڑ دو مجھ کو زمیں پر۔

کتبہ

زندگی کے
خوبصورت
حاشئے پر
موت
آوارہ گھڑی ہے۔

خواب

اک آہٹ ہوئی
چونک اٹھی رہگزر
اور کچھ ایسا محسوس ہونے لگا
جیسے کوئی شریکِ سفر ہو مرا
پھر بھی میں،
رات کی سیاہیوں میں یونہی
تنہا تنہا بھٹکتا رہا صبح تک

اور جب!
رات کی خامشی کھو گئی
صبح کی پہ چینخ میں
یک بہ یک نیند سے چونک اٹھی زندگی
اور تب میں نے سمجھا کہ
سب کچھ فقط
اک حسیں خواب تھا
اور کچھ بھی نہیں!!! —

بھوک کی صلیب

جوان لڑکی
کثیف
کپڑوں میں نیم عریاں
بدن چھپائے
ہر اِک
مسافر کے سامنے سے
گزر رہی تھی
صدا لگاتی
کہ "میں ہوں بھوکی
مجھے دو پیسہ"
اور اس کے پیچھے
پڑے ہوئے تھے
ہوس کے بھوکے

پلک جھپکتے ہی بڑھ کے اک نے
پکڑنی چاہی کلائی اسکی
وہ بھاگی، اتنے میں
ایک لاری نے،
اس کو دستِ ہوس کی زد سے
نجات دے دی۔
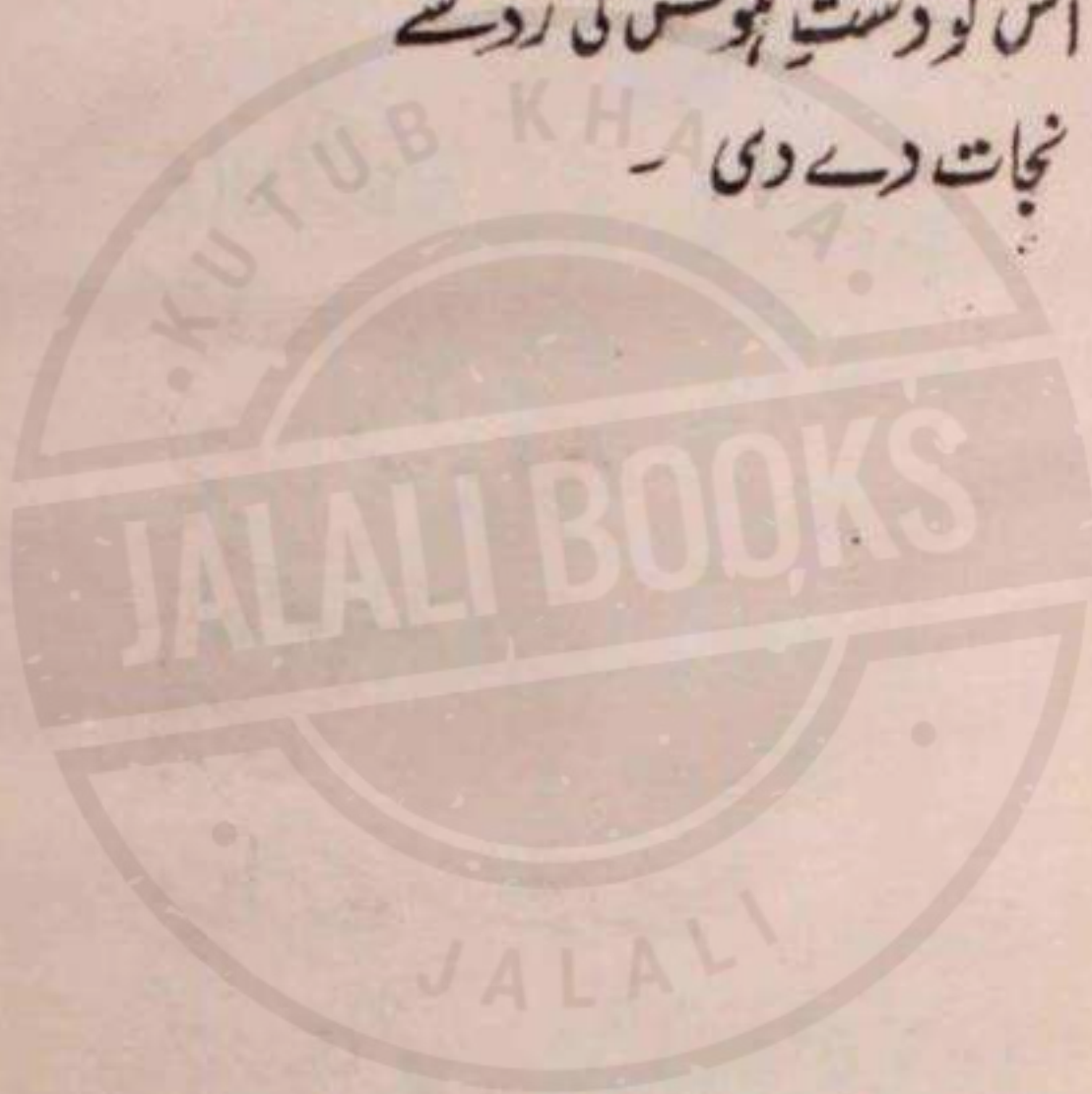
اجنبی ہوا

میں اک خالی مکان ہوں جس میں
ہر طرف مکڑیوں کے جالے ہیں
مجھ سے ملنے کو جب بھی آتی ہیں
ٹولیاں موسمی ہواؤں کی
شیلف میں بے خبر کتابوں پر
رقص کرتی ہے گردِ ماہ و سال
کاش! وہ اجنبی ہوا آتی
جو قرینے سے گھر سجا دیتی
صبح، کہتی مجھے "خدا حافظ"
شام، در پر سجی ہوئی ملتی
اور جب
چائے کی پیالی پر
بے خودی میں لبوں کو میں رکھتا
وہ مرے بکھرے بکھرے بالوں میں
پھول سی انگلیاں پرو دیتی —

پیتھولوجسٹ

جانے کیوں

میں

لمحہ لمحہ پگھل رہا ہوں

پیتھولوجسٹ

خون جانچ کرنے کی خاطر

بائیں ہاتھ کی تھرڈ فنگر میں

نڈل چبھو کر

حیرت میں ہے !

پیتھولوجسٹ کو کیا معلوم

رات کے سناٹے میں اکثر

اک اک قطرہ خون جلا کر

زہریلی غزلیں کہتا ہوں —

آخری دن

یہ تو بس آغازِ ۱۵ ویں صدی ہجری کا ہے
کچھ دنوں میں دیکھنا
بدفعلیاں
آوارہ کتوں کی طرح سڑکوں پہ ہوں گی
درجنوں شادی شدہ شہوت کی ماری عورتیں
اک نہتے مرد کا پیچھا کریں گی

ہم تو یوسف ہیں نہیں کہ کوئی طفلِ شیر خوار
دے گواہی
پھر کریں ہم یوں کہ
اپنے اپنے اعضائے ضرورت کاٹ کر
کوکھ میں بنجر زمیں کی یہ امانت سونپ دیں
اور ہوکے سر بسجدہ
آخری دن کا کریں اب انتظار۔

لہو کا سفر

شہر در شہر

اور

ملکوں ملکوں

لہو سفر میں رہا ہے

لہو سفر میں رہے گا

لہو سفر میں ہے ۔

ہنسا

جل گئی ،
جسم کی ہر شاخ ہری
پھول چہروں کے جلے
درد کی شمع بجھی
ٹوٹ کے چاروں طرف
بیج نفرت کے گرے
اور پھر
بجنے لگے جنگ کے ساز
کھا گئی کتنے جیالوں کو یہ بھوکی دھرتی
اور جو بچ گئے
جیتے ہیں اپاہج بن کے
خواب باپو کا نہ شرمندۂ تعبیر ہوا —

○

ہر سو تیری نشانی خدا
سب کا تو ہی بانی خدا
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
ساری چیزیں فانی خدا
ریت ریت پر لہرا دے
رنگ یہ دھانی خدا
ساحل ساحل ریگ رواں
کشتی کشتی پانی خدا

○

کس نے لہو نچوڑ لیے صبح و شام سے
پیڑوں سے مسکراتی پون کون لے گیا

نیموں سے تلخیاں تو پہاڑوں سے سختیاں
شاداب جنگلوں کا بدن کون لے گیا

رنگوں کا اک ہجوم مرے آس پاس ہے
پھولوں سے تتلیوں کا چلن کون لے گیا

آنکھیں منیرؔ پھر مرے زخموں نے موند لیں
ہاتھوں سے اس کے ناخنِ فن کون لے گیا

○
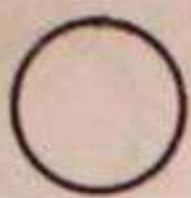
ٹوٹ کر آنکھوں میں پھر خوابوں کا نشتر رہ گیا
اک پرندہ دشتِ شب میں پھڑ پھڑا کر رہ گیا

آنکھ کے صحرا میں جل کر اک سمندر رہ گیا
دل کی گہرائی میں غم کا بھاری پتھر رہ گیا

یوں تو اپنے ساتھ وہ لے ہی گیا سب کچھ مگر
اس کی یادوں کا مرے کمرے میں لشکر رہ گیا

تنگ تھیں مجھ پر زمیں کی وسعتیں اتنی کہ میں
زندگی بھر آتی جاتی رُت کی زد پر رہ گیا

شہر کو اُجڑے تو برسوں ہو گئے لیکن منیرؔ
آج تک آنکھوں میں وہ خونبار منظر رہ گیا

تتلیوں کے پروں کو کترا کر
یاد بیتے دنوں کی تازہ کر

خود شناسی بہت ضروری ہے
روبرو آئینے کے بیٹھا کر

بول کے سچ تو سب کو چونکا دے
ایک دن شہر میں تماشا کر

کوئی چنگاری جاگ جائے گی
راکھ خوابوں کی مت کریدا کر

میں کلب میں تو ہنس رہا ہوں منیرؔ
رو پڑوں گا پھر اپنے گھر جا کر

○

منتشر خوابوں کا انبار کہاں سے لاؤں
وہ تری چشمِ حیا دار کہاں سے لاؤں

دھوپ چھاؤں کا اثر مجھ پہ بھی ہوتا ہے مگر
میں شجر ہوں لبِ اظہار کہاں سے لاؤں

ٹوٹ کے چاروں طرف مجھ کو بکھر جانے دو
کانچ ہوں سنگ کا کردار کہاں سے لاؤں

بھید گھر کا مرے سڑکوں پہ نہ پہنچے سیفی
اتنی محتاط میں دیوار کہاں سے لاؤں

○

عمر بھر درد کے سناٹوں میں چلنا ہوگا
پار اتروں گا سمندر کے تو صحرا ہوگا

سنگ ریزوں میں ہے یہ کس کے لہو کی خوشبو
مجھ سے پہلے کوئی اس راہ سے گزرا ہوگا

اس کے چہرے پہ ہیں صدیوں کے سفر کی شکنیں
میرے پرکھوں کی کہانی وہ سناتا ہوگا

خشک ہونٹوں پہ ہے برفیلی ہواؤں کی نمی
مست ساون کسی دلدل پہ برستا ہوگا

انگلیاں میری ہواؤں کی گرہ کھولیں گی
پانیوں پر بھی مرا نقشِ کفِ پا ہوگا

نیند کچی ہے جگاؤ نہ کوئی سینی کو
کتنی صدیوں کی تھکن اوڑھ کے سویا ہوگا

بے شکن بستروں پر بکھر جائے گا
خواب خالی مکانوں میں مر جائے گا

آپ رہ جائیں گے نقشِ پا ڈھونڈتے
وقت بیساکھیوں پر گزر جائے گا

ایک دن زندگی کے کسی موڑ پر
سلسلہ موسموں کا ٹھہر جائے گا

چند لمحوں کا سیفیؔ کوئی میہماں
شہر کا شہر ویران کر جائے گا

○

فضا میں زخمی پرندہ جدھر گیا ہوگا
لہو لہان ہواؤں کو کر گیا ہوگا

بچھی ہوئی ہے درختوں تلے صف ماتم
کوئی ہرا بھرا موسم گزر گیا ہوگا

شجر شجر پہ گھٹن کا وجود قائم ہے
کوئی ہوا کے پروں کو کتر گیا ہوگا

تمام عمر جلا تھا خود غم کی بھٹی میں
دھواں دھواں وہ خلا میں بکھر گیا ہوگا

گزشتہ رات کا منظر بہت بھیانک تھا
وہ زرد خواب کے جنگل میں ڈر گیا ہوگا

منیر سیفی ہیں کیوں خشک و بے صدا آنکھیں
"چڑھا ہوا تھا جو دریا اتر گیا ہوگا"

○

کر رہی ہیں ہوائیں سرگوشی
کون رہتا ہے ان مکانوں میں

لوٹ آؤ گے ایک دن تھک کر
اپنے گھر کی اُداس باہوں میں

میں صحیفہ غم و مسرّت کا
مجھ کو پڑھیے تمام آنکھوں میں

دیکھیے گا منیر سیفی کو
چند دیمک زدہ کتابوں میں

سنگسار کیا جائے، وہ ایسا تو نہیں ہے
انسان ہے انسان، فرشتہ تو نہیں ہے

جلتا ہے مرے ساتھ جو انگنائی میں شب کی
اس شخص سے میرا کوئی رشتہ تو نہیں ہے

ہر موڑ پہ ہیں اجنبی آواز کے سائے
اس شہرِ صدا میں کوئی اپنا تو نہیں ہے

ہر لہر الجھتی ہے کناروں کے قدم سے
کوئی لبِ دریا کہیں ڈوبا تو نہیں ہے

بدمست ہوا دست درازی پہ تلی ہے
ملبوسِ حیا آپ کا مسکا تو نہیں ہے

کرتا ہوں شب و روز حقیقت کا تعاقب
خوابوں سے الجھنا مرا شیوہ تو نہیں ہے

○

دن رات بگولوں کا سفر دیکھ رہا ہوں
برسوں سے لہو رنگ سحر دیکھ رہا ہوں

اخبار کی تحریر میں خوشبو ہے لہو کی
میں ٹی وی پر اُڑتا ہوا سر دیکھ رہا ہوں

آنکھوں میں مری چُبھنے لگے ریت کے ذرّے
میں خواب کے بکھرے ہوئے پر دیکھ رہا ہوں

ہر اینٹ میں پرکھوں کا جلال اب بھی ہے روشن
آبائی حویلی کا کھنڈر دیکھ رہا ہوں

مفلوج مرے دستِ دعا جب ہوئے سیفیؔ
ہر سمت کُھلا بابِ اثر دیکھ رہا ہوں

○
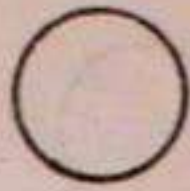
عجیب شخص تھا آبادیوں سے ڈرتا تھا
ذراسی آہٹیں پا کے بکھرنے لگتا تھا

خود اپنی ذات میں تحلیل ہو گیا شاید
وہ جوگی شہر میں تنہا جو بیٹھا رہتا تھا

ہم اپنے گھر سے جو گھبرا کے شہر میں آئے
ہمارے سامنے اک خوفناک صحرا تھا

تمام عمر جو لوگوں کو راس آنہ سکا
کسی کے واسطے وہ ابتدائی جادہ تھا

شکستہ ہو گیا آئینۂ خودی تو منیرؔ
تمام عالمِ اسباب ریزہ ریزہ تھا

○

ترا پیغام میں گونگے سفر میں چھوڑ آیا ہوں
ہوا کے ہاتھ میں چاروں کتابیں چھوڑ آیا ہوں

یہ آنکھیں آئینہ در آئینہ اب بھی بھٹکتی ہیں
ترے چہرے پہ کاجل کی لکیریں چھوڑ آیا ہوں

تمہارے شہر کی سب تتلیوں کے رنگ کچے ہیں
میں اپنے گاؤں میں سورج کی قاشیں چھوڑ آیا ہوں

بکھر کر رہ گیا ہوں میں کہیں شاداب جنگل میں
کہیں بے خواب فٹ پاتھوں پہ نیندیں چھوڑ آیا ہوں

عجب کیا سیفی چبھ ہی جائیں وہ پارے سماعت میں
میں اس کے در پہ جو دستک کی کرچیں چھوڑ آیا ہوں

سیاہ خون فضا میں اُگل ہی جاؤں میں
یہ رنگ رنگ مناظر بدل ہی جاؤں میں

کبھی ہوا کی طرح پانیوں کی چھت پہ چلوں
کبھی ہو ایسا کہ پتھر میں ڈھل ہی جاؤں میں

بلا رہی ہے مجھے زرد مٹیوں کی نمی
حدودِ دشت سے باہر نکل ہی جاؤں میں

بہت دنوں سے پہاڑوں پہ سر بسجدہ ہوں
ذرا وہ آنکھ جو کھولے پگھل ہی جاؤں میں

میں دشتِ مہر کا پالا ہوا مسافر ہوں
ملے جو چھاؤں گھنیری تو جل ہی جاؤں میں

ہجوم یاس کی ساری سیاہیاں لے کر
جبینِ صبح پہ اک روز مل ہی جاؤں میں

منیرؔ سیفی غنیمت ہے اپنا گاؤں بہت
کہ شہر میں تو ٹرک سے کچل ہی جاؤں میں

○

آنکھیں ہو جائیں گی پتھر ایک دن
خواب ہو جائیں گے منظر ایک دن

دشتِ شب میں یاد آیا تھا بہت
لمس تیرا، گرم بستر ایک دن

لے گئی اک اک شجر کا پیرہن
رُت لئے آئی تھی خنجر ایک دن

سو گیا وہ بھی زمیں کی گود میں
آسماں تھا جس کی زد پر ایک دن

ہر طرف زندہ صلیبیں ہیں کھڑی
آئے گا کوئی پیمبر ایک دن

آج تک ہے خوشبوؤں کا سلسلہ
کوئی آیا تھا مرے گھر ایک دن

پھول کہتا تھا جسے سارا جہاں
جل گیا میں اس کو چھو کر ایک دن

کھوکھلا کر دے گا سیفیؔ آپ کو
زہر یہ اندر ہی اندر ایک دن

○

تنہا ہیں ہم تو جھیل کا منظر اداس ہے
ہم جس پہ بیٹھتے تھے وہ پتھر اداس ہے

بکھرا ہوا وہ ہوگا شعاعوں کے شہر میں
کمرے میں اس کے پھول سا بستر اداس ہے

مشہور تھا جو گاؤں میں پاگل کے نام سے
وہ شخص مر گیا ہے تو ہر گھر اداس ہے

اندھے خلا سے تھک کے وہ لوٹا ہے غالباً
بیٹھا ہوا جو میرے برابر اداس ہے

ہونٹوں پہ تہہ بہ تہہ ہیں مسرت کی پپڑیاں
لیکن کوئی منیرؔ کے اندر اداس ہے

○

غلافِ جسم سے نکلا تو میں ہواؤں میں تھا
مرے بکھرنے کا چرچا سبھی دشاؤں میں تھا

ہزاروں بار سماعت سے اُن کی ٹکرایا
میں لمحہ لمحہ پگھلتی ہوئی صداؤں میں تھا

ضرور برگِ شکستہ نے بھی چکھا ہوگا
مرے لہو کا مزہ سرپھری ہواؤں میں تھا

زمیں پہ بہتا رہا نیلگوں سمندر سا
مرا وجود برستی ہوئی گھٹاؤں میں تھا

یہ تارکول کی سڑکیں نگل گئی ہوں گی
ہرا بھرا سا جو پہلے سکون گاؤں میں تھا

ٹھہر گئے ہیں پرند آسمان کی صورت
گزر ہوا کا کہاں تنگ در گپھاؤں میں تھا

تمام رات رہی درد دل میں رقصندہ
تمہاری یاد کا گھنگھرو ہوا کے پاؤں میں تھا

اب اس کی مرضی وہ چاہے جہاں قیام کرے
منیرؔ قید یہاں کب سے دھوپ چھاؤں میں تھا

آئی جو شام شہر کا منظر بدل گیا
کمرے میں تیری یاد کا اک بلب جل گیا

خوشبو سمیٹ رکھی تھی لمحوں کے پھول کی
آنکھیں لگیں تو وقت کا اژدر نگل گیا

مجمع لگا ہوا ہے ٹریفک بھی بند ہے
شاید کسی کا خواب ٹرک سے کچل گیا

نظروں کا تھا سراب کہ کائی فریب کی
اک اجنبی کا پاؤں کنوئیں پر پھسل گیا

ہنس ہنس کے کون سہتا رہا کرب ذات کا
ہے کون وہ جو وقت کے سانچے میں ڈھل گیا

پیاری ہے نیند مجھ کو پریشانیوں کے ساتھ
تنہائیاں ملیں تو مرا جی بہل گیا

زنجیر کس نے ڈال دی لفظوں کے پاؤں میں
معنی کا جسم سوچ کی لو پر پگھل گیا

○

عالم عجیب شہر میں کچھ بیوگی کا تھا
بدلا ہوا مزاج ہر اک آدمی کا تھا

ماتم تمام وقت کی بے چہرگی کا تھا
مجھ پر گمان سب کو کسی اجنبی کا تھا

در پر کھڑے ہوئے تھے مکیں بولتے نہ تھے
پہرہ لبوں پہ سب کے عجب خامشی کا تھا

کچھ ڈھیر پتھروں کے تھے سڑکوں پہ جابجا
زخموں سے چور سارا بدن زندگی کا تھا

پاگل ہوا نہ جانے اسے لے گئی کہاں
سادہ سا اک ورق جو مری زندگی کا تھا

کل رات میں بھی جاگ اٹھا چیخ مار کے
سیلاب اس کے کمرے میں بھی روشنی کا تھا

ہڈی ہڈی ٹوٹ رہی ہے ایسی ہے پتھریلی دھوپ
پیتی رہی ہے یگ یگ سے مفلس کا لہو زہریلی دھوپ

شام جواں ہوتی ہے اکثر پی کے لہو مزدوروں کا
دل کا لہو پانی کرتی ہے صبح ڈھلے چمکیلی دھوپ

صحرا صحرا ڈھونڈ رہی ہے جانے کس دیوانے کو
اُودے اُودے نیلے پیلے چہروں کی بھڑکیلی دھوپ

زلف و رُخ کی بات کریں کیا بھوکی پیاسی دنیا میں
گلیوں گلیوں پھرتی ہے اب محلوں کی شرمیلی دھوپ

رفتہ رفتہ خونِ جگر بھی سوکھ نہ جائے آج منیرؔ
دل میں اتری جاتی ہے کچھ ایسی ہے زہریلی دھوپ

○
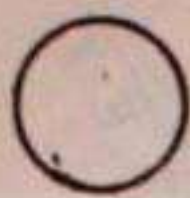
رخ ہواؤں کا مجھ سے پھرا دیکھ کر
وہ ہوا ہو گئے بھی ہوا دیکھ کر

آج ہے چاند پر ان کا نقشِ قدم
جو چلے تھے مرا نقشِ پا دیکھ کر

لوگ سمجھیں گے یہ پان کی پیک ہے
آدمی کا لہو جابجا دیکھ کر

پھر ٹپکنے لگا شاخِ گل سے لہو
ان کے ناخن پہ رنگِ حنا دیکھ کر

سر کھلا تو کھلا اپنے گھر کا بھرم
پاؤں پھیلانا اپنی ردا دیکھ کر

دوستوں نے بھی سیفیؔ نظر پھیر لی
راہ میں مجھ کو بکھرا ہوا دیکھ کر

فضول خرچ نہ کر روشنی کا سرمایہ
بچا کے رکھ لے اسے شامِ زندگی کیلئے

مری نوا کا شناسا نہیں ہے کوئی یہاں
کہ اجنبی ہوں ابھی ۲۰ ویں صدی کیلئے

بہت دنوں پہ جو اپنے ہی شہر میں آیا
تو اجنبی تھا میں ہر موڑ ہر گلی کیلئے

جو بھر گیا مری آنکھوں میں درد کی کرچیں
دعائیں کرتا ہوں اب تک اسی سخی کیلئے

○

ہوائیں ہیں خنجر بکف چار سو
شجر بے خطا صف بہ صف چار سو

مرے ہر طرف زرد رو خوف ہے
میں بنتا ہوں خود ہی ہدف چار سو

بکھرتی ہوئی دق زدہ لڑکیاں
سیہ خون آلودہ کف چار سو

اٹھیں آندھیاں گنگنائے شجر
بجاتے ہیں پتے بھی دف چار سو

سمندر میں غوّاص گم ہو گئے
انہیں ڈھونڈتے ہیں صدف چار سو

○

کواڑوں کی سرگوشیاں چار سو
دھڑکتی ہوئی سیڑھیاں چار سو

وہی جال بُنتی ہوئی مکڑیاں
وہی میری رسوائیاں چار سو

تری خامشی بال کھولے رہی
مرے گھر میں تنہائیاں چار سو

پگھلتی ہوئی تہہ بہ تہہ بدلیاں
سلگتی ہوئی کھیتیاں چار سو

مری تشنگی کُھل کے برسی جہاں
اُگیں لب بہ لب پپڑیاں چار سو

وہی حادثے ہر نئے موڑ پر
وہی درد کی کرچیاں چار سو

عذابوں کے ننگے شجر سامنے
کڑی دھوپ کی سختیاں چار سو

○

قطاروں میں سیل ہوس چارسو
سسکتی ہوئی ایک بس چارسو

ہواؤں میں خوشبو ترے جسم کی
معطر مرا ہر نفس چارسو

میں صحرا ہوں جلتی ہوئی ریت کا
تو ساون ہے مجھ پر برس چارسو

ہوا پر بتوں پر سکھاتی ہے پر
گھروں میں ہے لیکن اُمس چارسو

جو پہلے تھا بے چہرگی کا ہجوم
وہی کچھ ہے اب کے برس چار سو

بکھرتا ہوا خوف کا قافلہ
بلکتی صدائے جرس چار سو

زمینوں میں دھنستا ہوا آدمی
خدایا! تری دسترس چار سو

اُدھر موت کا گرم بازار ہے
اِدھر زیست کی پیش و پس چار سو

○

وہی قصّۂ خونچکاں چار سو
وہی دودِ سالِ رواں چار سو

زمینیں سماعت سے محروم ہیں
صدائیں نہ دے آسماں چار سو

مرا جسمِ خاکی پگھلتا ہوا
ترے پانیوں کی زباں چار سو

مری شخصیت خود ہے اُلجھی ہوئی
کروں کیا میں شرحِ زیاں چار سو

مرا گھر ہواؤں کا ہے منتظر
فلک بوس زرّیں مکاں چار سو

○

طلب سے بھی کچھ اور زیادہ ملا
بدن پر غموں کا لبادہ ملا

مجھے ہر جگہ سرفرازی ملی
کہ غم کا مجھے شاہزادہ ملا

زمیں پر تو سو آسماں اوڑھ لے
مکاں تجھ کو کتنا کشادہ ملا

بہت سادگی اس کے بچپن میں تھی
جوانی کا قصہ بھی سادہ ملا

میں بے ساز و سامان تھا اس لئے
مجھے ہر سفر بے ارادہ ملا

○

بچھڑ جاتے ہیں راستے چلتے چلتے
مرے ساتھ کوئی بھی چلتا نہیں ہے

درختوں پہ یلغار ہے پتھروں کی
پھلوں کو کوئی پکنے دیتا نہیں ہے

ہر اک آنکھ میں اجنبیت کی خوشبو
مرے گھر میں بھی کوئی میرا نہیں ہے

مرے ساتھ مجمع ہے تنہائیوں کا
مرا ایک بھی پل اکیلا نہیں ہے

○

منقطع اب سلسلے ہیں پیار کے
رنگ و روغن اُڑ گئے رخسار کے

آ گئی شاید جدائی کی گھڑی
لوگ آگے پیچھے ہیں بیمار کے

پر لگا کر اُڑ گئے خوشیوں کے دن
غم کھڑے ہیں روپ میں اشجار کے

کرچیاں ہر سو مرے دل کی اُڑیں
خوش ہوئے احباب پتھر مار کے

○

دھوپ کھا کے آم پیلے ہو گئے
پر فرشتوں کے بھی گیلے ہو گئے

آگ جب برفیلے منظر میں لگی
راکھ خواہش کے فتیلے ہو گئے

بادلوں کو بھی رُتوں نے ڈس لیا
خواب بھی کھیتوں کے نیلے ہو گئے

ٹوٹ کر کچھ اس طرح قدریں گریں
مٹیوں کے سرخ ٹیلے ہو گئے

پانیوں کی سان پر چڑھتے رہے
اس لئے پتھر نکیلے ہو گئے

بوجھ سے میں ہو گیا دہرا منیرؔ
جسم کے سب جوڑ ڈھیلے ہو گئے

○

کرب کچھ اتنا سمٹ آیا تھا آنکھوں میں مری
ٹوٹ کے پھر نہ ملی مجھ سے تباہی کوئی

یاس نے گاڑ دیے پنجے نواحِ جاں میں
لے رہا ہے گھنے پیڑوں پہ جماہی کوئی

کس نے پھر آتشِ نمرود کو گلزار کیا
دے رہا ہے ترے ہونے کی گواہی کوئی

لوگ سوئے ہوئے ہیں چاروں کتابیں لے کر
اب جگائے گا انہیں آکے خدا ہی کوئی

میرے حالات ہی کچھ ایسے رہے ہیں سیفی
لے سکا میں نہ بزرگوں کی دعا ہی کوئی

○

پہلا سا رنگِ شام و سحر بھی نہیں
اب دعاؤں میں اپنی اثر بھی نہیں

جن درختوں پہ برگ و ثمر بھی نہیں
ان کو طوفان کا کوئی ڈر بھی نہیں

بھوک کھیتوں میں کروٹ بدلتی رہی
آسماں پر فرشتوں کے پر بھی نہیں

ہر طرف سلسلہ ہے کڑی دھوپ کا
دور تک راہ میں اک شجر بھی نہیں

ایڑیاں دشت بیں میں رگڑتا رہا
اور ملا مجھ کو پانی کا گھر بھی نہیں

یہ مکاں سیکڑوں بار لوٹا گیا
اور کواڑوں کو اس کی خبر بھی نہیں

لوگ مجھ کو سمجھتے رہے اجنبی
راس آیا لہو کا سفر بھی نہیں

میری آنکھوں میں جلتے رہے روز و شب
غم سے سیفیؔ کسی کو مفر بھی نہیں

○

شجر شجر ویرانی بھیج
رُت کوئی یرقانی بھیج

میرے دل کی دنیا میں
درد کوئی سیلانی بھیج

دشت میں سائل بڑ چیخ اٹھا
یارب! کوئی دانی بھیج

یارب! سیفیؔ پر کھل جا
اپنا کوئی ثانی بھیج

○

سارا لہو سمیٹے ہوئے میں پروں کے بیچ
اُڑتا رہا سلگتے ہوئے منظروں کے بیچ

موسم بدل چکا ہے مکیں لوٹ آئے ہیں
بکھرے ہیں خشک پھول شکستہ دروں کے بیچ

مجھ کو بچا سکا نہ کوئی سیلِ آب سے
میں اک مکان خام تھا پکّے گھروں کے بیچ

اس کا تمام جسم نمایاں کیا گیا
وہ بے لباس ہو کے رہی آزروں کے بیچ

O

میں ہواؤں سے خوف کھاتا ہوں
شاخِ مژگاں پہ تھرتھراتا ہوں

خوف کا ایک خشک پتا ہوں
کوئی چھو دے تو ٹوٹ جاتا ہوں

آنے والا ہے سیلِ آب کوئی
ناؤ کاغذ کی میں بناتا ہوں

میں زمیں پر منیرؔ حنیفی ہوں
آسمانوں کو گدگداتا ہوں

○

ہواؤں سے الجھے شجر رات بھر
لرزتا رہا میرا گھر رات بھر

ضرور اس میں ماضی کے آسیب ہیں
سسکتا بہت ہے کھنڈر رات بھر

میں گرتا ہوں بستر پہ جب ڈٹ کر
اداسی دباتی ہے سر رات بھر

اسے بھی مرا خوف ڈستا رہا
مجھے بھی رہا اس کا ڈر رات بھر

بلا اب میرے شہر میں آئے گی
کہ روتا ہے اک جانور رات بھر

دل کی دیواروں پر مایا رینگ رہی ہے
تیری آوازوں کی کایا رینگ رہی ہے

نیند میں اکثر ہوتا ہے محسوس مجھے بھی
مری بغل میں تیری کایا رینگ رہی ہے

جیسے ریگستان میں پیاسا مرگ ہو کوئی
سورج پر یوں کالی چھایا رینگ رہی ہے

دھوپ میں شیفی ٹوٹ کے میں بکھرا ہوں
یاد کسی کی سایا سایا رینگ رہی ہے

○

روشنی کو لہو لہان نہ کر
خار آنکھوں میں مت اُگا بھائی

تیرے دل کی شکستہ سیما پر
جلوہ افروز ہے خدا بھائی

دانہ دے کر پھنسا رہے ہیں لوگ
تو کبوتر ہے خوشنما بھائی

غم کی ڈھلوان پر سسکتا ہے
تیری خوشیوں کا قافلہ بھائی

ٹوٹ کے پھر بکھر نہ جائے کہیں
تیرے خوابوں کا سلسلہ بھائی

میں کہیں بے بصر نہ ہو جاؤں
روشنی میں نہ مجھ کو لا بھائی

لکھنا تم بھی منیر سیفی کا
خشک پتوں پہ مرثیہ بھائی

نکلوں میں کیسے گھر سے کھلا سر لئے ہوئے
بکھرا ہوا ہجوم ہے پتھر لئے ہوئے

جائے اماں نہیں کوئی میدان زیست میں
سورج کھڑا ہے چار سو لشکر لئے ہوئے

برسات کا کرم ہوا کچے مکان پر
دیواریں بیٹھنے لگیں چھپر لئے ہوئے

اس شہر خواب زار میں کس کو صدائیں دوں
بیٹھا ہوں روشنی کا سمندر لئے ہوئے

تیرا منیرؔ ہے کہ جو پتھر کے شہر میں
پھرتا ہے زخمہائے پیمبر لئے ہوئے

میرے جنوں نے مجھ کو دکھایا وہ راستہ
برسوں سے جس کے کھوج میں تھی آگہی مری

لے کر چراغ نکلا ہوں سورج کو ڈھونڈنے
مشہور ہو چکی ہے یہ دیوانگی مری

دو سائے جب گناہ کے وادی میں جل بسے
انسانیت گلی میں کھڑی چیختی رہی

اب تو منیرؔ اُڑ کے چلو آسماں پہ تم
تنگ آدمی پہ ہو گئی وسعت زمین کی

○

اُٹھا ہوا ہوں سراپا غبارِ لذّت سے
ہتھیلیوں میں مری، رخ کا چاند رہنے دے

تمام لوگ مقید ہیں کارخانوں میں
پڑے ہوئے ہیں مکانوں میں شہر کے تالے

کھڑا ہوں رات کے آنگن میں اک شجر کی طرح
میں اپنے دوش پہ غمہائے روزگار لئے

نہ جانے کیوں ہوا مجبور خودکشی پر وہ
منیرؔ ہم اسی الجھن میں رات بھر جاگے

لبوں پہ سب کے مرے خون کا ذائقہ ہے ابھی
مرے خلاف بہت شہر کی ہوا ہے ابھی

وہ پھوٹ پھوٹ کے روئے گا اپنے گھر جا کر
کلب میں شخص جو سب کو ہنسا رہا ہے ابھی

غموں کا قافلہ پیچھے کھڑا ہوا ہے تو کیا
کہ میرے سامنے دیوار قہقہہ ہے ابھی

مجھے ملی نہیں راحت جہان میں اک پل
کہ میرا زخم تمنا ہرا بھرا ہے ابھی

پہن لیا ہے کیوں موسم نے بیوگی کا لباس
منیر عمر بھر جاگا تھا سو گیا ہے ابھی

○

کمرہ جو ہنس رہا ہے تو کوئی ہے وجہ خاص
شاید مرے خیال کے پیکر ہیں بے لباس

کب سے بھٹک رہا ہوں کہاسوں کے شہر میں
کوئی کرا دے اب مجھے سورج سے روشناس

ساحل پہ پھینک ڈالا سمندر نے آخرش
وہ بھی بجھا سکا نہ مری آتما کی پیاس

یہ کون زندگی کی سزا کاٹ کر گیا
ہر آدمی ہے پہنے ہوئے ماتمی لباس

سائے سے اپنے برسرِ پیکار کیوں ہوئے
تم آپ اپنے خوں کے طلبگار کیوں ہوئے

مجھ سے تم اپنی چھین لو اب سب نشانیاں
روٹھے ہو تم تو یاد کے بازار کیوں ہوئے

کل تک غرور سے جو اٹھائے ہوئے تھے سر
طوفاں سے سرنگوں وہی اشجار کیوں ہوئے

میں خوش ہوا تمہارا رات کی گردن مروڑ کر
اتنے مہیب صبح کے آثار کیوں ہوئے

ہم بھی منیرؔ سیفی اسی کشمکش میں ہیں
"کچی اگر تھی نیند تو بیدار کیوں ہوئے"

○

ہر سمت نظر آنے لگے خوف کے سائے
بازار ہوا بند تو سونا ہے کلب بھی

رستہ نہ بھٹک جائیں کہیں خواب کے تاجر
گزرے نہ تہی دست مری آخری شب بھی

میں جس سے بچھڑنے کی دعا مانگ رہا ہوں
سیفی جی وہی ہے مرے جینے کا سبب بھی

○

کھرچ کے ذہن سے تیرے خیال کی پرتیں
بھلا سکا نہ میں تجھ کو، ہزار ہا پھینکا

تمہارے بعد مسلسل سفر میں رہتا ہوں
سکوں مکان کا میں نے ندی میں جا پھینکا

منیر دیر تھی اس روشنی کے کھونے کی
خلا رنے گھور اندھیروں کا سلسلہ پھینکا

○

بچائے رکھنا ذرا شہرِ دل کا سرمایہ
دراز پلکوں میں سوئے ہوئے لٹیرے ہیں

ہمارے گھر میں فقط چیختی ہے تاریکی
تمام عالمِ امکاں میں سویرے ہیں

کوئی بتاؤ کہ میں کیسے مینہہ برسا دوں
رسول جان کے مجھ کو کسان گھیرے ہیں

منیرؔ سیفی میں رستہ نہ بھول جاؤں کہیں
کسی کی آنکھوں کے جنگل بہت گھنیرے ہیں

ضربِ غم سے دل اگر ٹوٹا نہ ہو
آدمیت سے کوئی رشتہ نہ ہو

روشنی میں جو مرا ہمشکل ہے
تیرگی میں وہ کوئی سایا نہ ہو

شہر میں ایسا کوئی ملتا نہیں
جس کے چہرے پر کوئی چہرا نہ ہو

جا لیا اس کو تصوّر میں منیرؔ
لفظ و معنی نے جسے سوچا نہ ہو

○

میں اپنے شہر کا ناسور بن کے جیتا ہوں
مرا وجود کھٹکتا ہے ہم نشینوں کو

ہو جس کی چیز اسی کو وہ چیز لوٹا دو
اُٹھا کے پھینک دو افلاک پر زمینوں کو

میں ہر مکان کے دیوار و در سے ٹکرایا
خبر نہ ہو سکی لیکن ذرا مکینوں کو

اب آدمی سے کہو جنگلوں میں بس جائیں
تمام شہر میں ہے برتری مشینوں کو

○

نشترِ قلم کا چلتے ہی ہر ٹانکا کٹ گیا
پھوڑا مرے خیال کا کاغذ پہ پھٹ گیا

جلتی ہوئی زمین سے جا کے لپٹ گیا
سایا جری تھا سامنے سورج کے ڈٹ گیا

چھوتے ہی اس کے جسم کو محسوس یہ ہوا
میرا وجود بجلی کے تاروں سے سٹ گیا

آندھی اُسے اُٹھا کے کسی سمت لے گئی
یا خود ہی وہ نگاہوں کے آگے سے ہٹ گیا

پھیلا ہوا تھا وسعتِ کون و مکاں پہ جو
وہ بھی منیرؔ نقطے کی صورت سمٹ گیا

○

چلتے ہیں میرے ساتھ وہ کچھ اس ادا کے ساتھ
خوشبو کا قافلہ چلے جیسے ہوا کے ساتھ

کہتی ہیں صاف سُرخیاں دست حنائی کی
خون وفا ضروری ہے رنگ حنا کے ساتھ

آواز ہر طرف سے پہاڑوں نے دی مجھے
میں خود کو ڈھونڈتا رہا آواز پا کے ساتھ

آنکھیں سلگ اٹھی ہیں سسکتے مکان میں
چہروں کے قمقمے بھی جلے ہیں دیا کے ساتھ

بے حس پڑا ہوا ہے سمندر میں آفتاب
انسان اُڑا ہے ڈھونڈنے اسکو ہوا کے ساتھ

وہ آرہے ہیں ساتھ لیے اک ہجوم کو
تاثیر بھی منیرؔ ہے میری دعا کے ساتھ

سامنے اندھے آئینے کے سورج کو چمکایا جائے
میں بھی اک الجھی گتھی ہوں مجھ کو بھی سلجھایا جائے

تلخ ہوا ہوں خود ہی پی لوں سچائی کے نیم کا رس
محفل محفل بات کی کڑوی خوشبو کو پھیلایا جائے

غافل اور نہتے رہنا شہر خرد میں ٹھیک نہیں
خوابوں کو سورج کی انی پر آؤ آج چڑھایا جائے

اپنے اپنے ذہن کو بدلیں اور چہرے کو مسخ کریں
ماں بھی جانے غیر کا بیٹا ایسا روپ بنایا جائے

لکھتے ہیں قرطاس الم پر چند اچھوتے شعر منیرؔ
سورج کی آنکھوں سے بچ کے اشہب فن دوڑایا جائے

○

شام ہوتے ہی ڈھونڈ لیتی ہے
ہم کو خانہ خراب تنہائی

چھوڑ کر جاگتا ہوا ہم کو
سو گئی بے حجاب تنہائی

کون دنیا میں ساتھ دیتا ہے
عمر بھر ہے جناب تنہائی

مانگتی ہے منیرؔ روز و شب
زخمِ دل کا حساب تنہائی

○

اُڑتے پنچھی کی تمنا چھوڑ دے
میں ہوا ہوں میرا پیچھا چھوڑ دے

روٹھ جائیں گی مری تنہائیاں
تو مجھے کمرے میں تنہا چھوڑ دے

عمر بھر کرنا ہے زخموں کا شمار
دل میں تو یادوں کا نیزا چھوڑ دے

میں جدھر جاؤں ادھر دیکھوں تجھے
ہر طرف اپنا ہی چہرا چھوڑ دے

اس طرح زندہ ہوں میں، جیسے کوئی
نوچ کے پر زخمی چڑیا چھوڑ دے

خود غرض ہیں جب سبھی رشتے منیرؔ
تو کہیں بس جا گھر اپنا چھوڑ دے

○

سُلگ رہا ہوں میں برفیلے بام و در کی طرح
مرے لہو میں کوئی چیز ہے شرر کی طرح

نہ تیری زلف کا سایہ نہ گیسوؤں کی گھٹا
ہماری شام بھی گزری ہے دوپہر کی طرح

تمہاری یاد کے پتّے ہوائیں دیتے رہے
تمام عمر میں جلتا رہا اگر کی طرح

منیرؔ سیفی مرے صحنِ دل میں روشن ہے
وہی جدائی کا غم آج بھی قمر کی طرح

پھر کھڑکیوں سے کمرے میں در آئی چاندنی
خوشبو ترے بدن کی چرا لائی چاندنی

سینے پہ رکھ کے سر مرے سوئی تمام رات
ہوتے ہی صبح دے گئی تنہائی چاندنی

بدمست بادلوں سے ہم آغوش ہو گئی
میں نے لگایا ہاتھ تو شرمائی چاندنی

ٹھوڑی سے اک ذرا جو چھوا میں نے چاند کو
آنکھوں کو موندنے لگی ہرجائی چاندنی

دے گی منیر سیفی یہ کیا مرہم خلوص
جھانکے ہے میرے گھاؤ کی گہرائی چاندنی

○

پتھر کی اک لکیر سی ہے دل کے آس پاس
سانسوں کی کوٹھری میں ہے پگھلی ہوئی کرن
کاغذ پہ دوڑتے رہے یادوں کے قافلے
لفظوں کی وادیوں میں بھٹکتے رہے سخن

○

جسم بے معنی سی کتاب لگا
ٹوٹا جیسے ہی رشتۂ آواز
نہ ملی پھر وہ موم سی گڑیا
دھوپ میں کھو گئی مری دمساز

○

لمحات دے رہے ہیں کچھ ایسی سزا منیرؔ
چہرے پہ اپنے غیر کا دھوکا ہوا منیرؔ
بچپن ہی میں گزر گیا خوشیوں کا قافلہ
اب تو تمام عمر ہے کرب و بلا منیرؔ

○

آنکھوں میں پھر غبار اندھیرے کا بھر گیا
سورج کے دل میں رات کا نیزہ اتر گیا
کچھ ایسے گھن غموں کے مسلسل پڑے کہ میں
ذرّوں کی طرح ٹوٹ کے ہر سو بکھر گیا

○

رگِ سنگ جب بھی نچوڑی گئی
گلوں کا لہو تازہ تازہ ملا
ہنسی کو ترستے ہوئے لب ملے
ہر اک شکل پر غم کا غازہ ملا

○

گھر میں ٹھہرے ہوئے موسم کی جوانی رکھنا
میرے بستر پہ وہی دھوپ سہانی رکھنا
لوٹ جائے نہ مرے خواب کا پنچھی پیاسا
ادھ کھلی آنکھوں میں اخلاص کا پانی رکھنا